جمیل الدین عالی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

اشتراک

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

دوہے

جمیل الدین عالی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

اشتراک

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی

Dohe
by
Jamiluddin Aali
Rs.49/-

صدر دفتر

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025 ☎ 011-26987295

Email: monthlykitabnuma@gmail.com

شاخیں

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، جامع مسجد دہلی۔110006 ☎ 011-23260668

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، ممبئی۔400003 ☎ 022-23774857

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ۔202002 ☎ 0571-2706142

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، بھوپال گراؤنڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025 ☎ 011-26987295

قومی اردو کونسل کی کتابیں مذکورہ شاخوں پر دستیاب ہیں

سنہ اشاعت: 2011 تعداد: 1100 قیمت: -/49

ISBN : 978-81-7587-595-1 سلسلۂ مطبوعات: 1470

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔110025

فون نمبر: 49539000 فیکس: 49539099

ای میل: urducouncil@gmail.com ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع: جے۔کے۔آفسیٹ پرنٹرز، بازار مٹیا محل، جامع مسجد۔110006

اس کتاب کی چھپائی میں 70 GSM TNPL Maplitho کاغذ کا استعمال کیا گیا ہے۔

معروضات

قارئین کرام! آپ جانتے ہیں کہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ ایک قدیم اشاعتی ادارہ ہے، جو اپنے ماضی کی شاندار روایات کے ساتھ آج بھی سرگرم عمل ہے۔ 1922ء میں اس کے قیام کے ساتھ ہی کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جو زمانے کے سرد و گرم سے گزرتا ہوا آگے کی جانب گامزن رہا۔ درمیان میں کئی دشواریاں حائل ہوئیں، نامساعد حالات سے بھی سابقہ پڑا مگر سفر جاری رہا اور اشاعتوں کا سلسلہ کلّی طور پر کبھی منقطع نہیں ہوا۔

اس ادارے نے اردو زبان و ادب کے معتبر و مستند مصنفین کی سیکڑوں کتابیں شائع کی ہیں۔ بچوں کے لیے کم قیمت کتابوں کی اشاعت اور طلبا کے لیے ''درسی کتب'' اور ''معیاری سیریز'' کے عنوان سے مختصر مگر جامع کتابوں کی تیاری بھی اس ادارے کے مفید اور مقبول منصوبے رہے ہیں۔ ادھر چند برسوں سے اشاعتی پروگرام میں کچھ تعطل پیدا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے فہرست کتب کی اشاعت بھی ملتوی ہوتی رہی مگر اب برف پگھلی ہے اور مکتبہ کی جو کتابیں کمیاب بلکہ نایاب ہوتی جارہی تھیں شائع ہو چکی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اب تمام کتابیں مکتبہ کی دلّی، ممبئی اور علی گڑھ شاخوں پر دستیاب ہیں اور آپ کے مطالبہ پر بھی روانہ کی جائیں گی۔

اشاعتی پروگرام کے جمود کو توڑنے اور مکتبہ کی ناؤ کو بھنور سے نکالنے میں مکتبہ جامعہ بورڈ آف ڈائرکٹرس کے چیئرمین اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر جناب نجیب جنگ (آئی اے ایس) کی خصوصی دلچسپی کا ذکر ناگزیر ہے۔ موصوف نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے فعّال ڈائرکٹر جناب حمید اللہ بھٹ کے ساتھ (مکتبہ جامعہ لمیٹڈ اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے درمیان) ایک معاہدے کے تحت کتابوں کی اشاعت کے معطّل شدہ عمل کو نئی زندگی بخشی ہے۔ اس سرگرم عملی اقدام کے لیے مکتبہ جامعہ کی جانب سے میں ان صاحبان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ امید ہے کہ یہ تعاون آیندہ بھی شاملِ حال رہے گا۔

خالد محمود

منیجنگ ڈائرکٹر، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

دیباچہ

"وہ جو غالب بھی تھا اور معتقدِ میر بھی تھا" اس کے خاندان میں پیدا ہونے سے جمیل الدین عالی کے حق میں ایک بُرا نتیجہ نکلا۔ ان کے دل میں خواہ مخواہ یہ بات بیٹھ گئی کہ میں کچھ بھی کیوں نہ کرلوں، غالب نہیں بن سکتا۔ لیکن یہ کیا ضرور ہے کہ آدمی اُسی وقت شاعری کرے جب غالب بن سکنے کا امکان ہو۔ پہاڑ بھی ٹھیک اور اونٹ بھی ٹھیک۔ دونوں اپنی اپنی جگہ اونچے۔ لیکن عالی نے اونٹ کی خوبیاں تسلیم کرنے میں فراخ دلی سے کام نہیں لیا۔ ہے تو یہ بات دیباچہ نگاری کے مروجہ آداب کے خلاف، مگر میں تو ابتدا شکایت ہی سے کروں گا۔ کیوں کہ عالی کی شاعری اور شخصیت میں جو امکانات پنہاں ہیں ان کا اندازہ مجھے عالی سے زیادہ ہے۔ انھوں نے غزل، دوہے، گیت، نظمِ معرّیٰ، سبھی کچھ لکھا ہے، بلکہ غزل میں بھی مختلف اسلوب آزمائے ہیں۔ غالب کا رنگ ہو یا مومن کا، یا اقبال کا، فارسی ترکیبیں استعمال کرنے کا معاملہ ہو یا سلاستِ بیان کا، انھوں نے اپنی مزاجی شان ہر جگہ برقرار رکھی ہے، لیکن انھوں نے اپنی شاعری کو خود ایسی وقعت کبھی نہیں دی جس کے زور سے شاعر کے کلام میں ارتکاز پیدا ہوتا ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ عالی کو "کیے جاؤ کوشش مرے دوستو" کے اصول پر عمل کرنا چاہیے۔ شاعری کوئی تجارت نہیں، یہاں محنت، مشقت یا ریاضت کارآمد ثابت ہوتی ہے، لیکن جو چیز شاعری کو محض شاعری کے درجے سے اونچا اٹھاتی ہے وہ

تو ایک غیر شخصی قوت ہے۔ ممکن ہے کہ سائل دہلوی[1] کی شاگردی کے زمانے میں عالی نے ریاض بھی کیا ہو لیکن وہ اپنی شاعری کو اتنی سنجیدہ چیز نہیں سمجھتے، جتنی وہ دراصل ہے۔ مثلاً میں نے انھیں اکثر کہتے سنا ہے کہ میاں ہم تو مشاعرے باز آدمی ہیں۔ کاش کہ عالی کا یہ انکسار پُرخلوص نہ ہوتا۔

چلیے، مشاعرے بازی کا ہی معاملہ لیجیے۔ مشاعرے کے لیے غزلیں لکھنے یا عادتاً مشاعرے میں پڑھنے کے فائدے بھی ہیں اور نقصان بھی ——— نقصان تو یہ ہے کہ شاعر ایک دفعہ اندازہ لگا لے کہ لوگ کس قسم کے جذبات اور بحریں پسند کرتے ہیں، اور اس کے بعد اپنے تجربات کو انھیں پیمانوں سے ناپ ناپ کے مقررہ بوتلوں میں بھرتا رہے۔ اس طرح شاعر پہلے تو نئے وسیع اور گہرے تجربات کی صلاحیت کھو دیتا ہے، اور پھر سامعین بھی۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے یہ حادثہ بہت سے شاعروں کو پیش آچکا ہے۔ جن میں سے بعض نہایت مشہور بھی ہیں لیکن دوسری طرف مشاعرے بازی مفید بھی ہو سکتی ہے، بشرطیکہ شاعر داد لینے کی خواہش کا شکار نہ ہو جائے۔ مشاعرے میں غزل پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے سننے والوں کے دل و دماغ کو اتنا حقیر نہیں سمجھتا کہ ان سے تخاطب کی زحمت ہی گوارا نہ کرے۔ مشاعرے کی بنیاد ہی اس یقین پر ہے کہ پڑھنے والے اور سننے والوں کے درمیان چند ذہنی اور جذباتی اقدار مشترک ہیں، اور سننے والوں میں نئے تجربات کو قبول کرنے کی آمادگی ضرور موجود ہے۔ دوسری طرف مشاعرے میں پڑھنے والے شاعر سے ایک توقع یہ کی جاتی ہے کہ وہ اپنے جذبات پر شرماتا نہیں، بلکہ دوسروں کے سامنے کھل کر ان کا اظہار کرنے کی ہمت رکھتا ہے۔ عالی مشاعرے باز شاعر سہی، مگر ان میں اچھے مشاعرے بازوں کی یہ دونوں صحت مند خصوصیتیں موجود ہیں۔ یعنی کھلے دل سے اپنی بات دوسروں کے سامنے کہنے کی ہمت بھی، اور دوسروں کی ذہنی

---

[1] بد قسمتی سے میں ان کا شاگرد نہیں ہو سکا۔ عزیزداری کے علاوہ میں ان کا حاشیہ بردار ضرور رہا ہوں (مصنف)

اور جذباتی صلاحیت پر اعتماد بھی' اور ساتھ ہی سامعین سے مغلوب نہ ہونے کی طاقت بھی۔ مشاعرے باز شاعر ہوں یا غیر مشاعرے باز' آج کل کے زمانے میں یہ تین باتیں کسی ایک شاعر میں مشکل سے جمع ہوتی ہیں۔ عالی مشاعرے بازوں کے انجام سے کچھ ایسے گھبرائے ہیں کہ انھوں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ مشاعرے نے اُن کی شاعری کو کیا فائدہ پہنچایا ہے۔ اکثر مشاعرے باز اپنا ایک خاص ترنم وضع کر لیتے ہیں' اور ہر غزل کو اسی لَے میں ڈھالتے ہیں' چاہے کسی خاص غزل اور ان کے ترنم کا آپس میں کوئی علاقہ ہو یا نہ ہو۔ لیکن عالی کے یہاں ترنم اور شعر یک جان ہوتے ہیں۔ ان کی خوش گلوئی ان کی غزل میں گونجتی ہے' اپنی آواز اور اپنی شخصیت کے آہنگ کو شعر میں سمو دینا کوئی معمولی بات نہیں۔ عالی کے یہاں اس اہلیت کی نشوونما اگر مشاعرے میں نہیں ہوئی تو اور کہاں ہوئی۔ عالی کے شعر بیک وقت دل اور دماغ دونوں سے تخاطب کرتے ہیں۔ اگر جذبے کا خلوص اور تازگی دل پر اثر انداز ہوتی ہے تو یہ رویے کا تیکھاپن اور اندازِ بیان کی شوخی ذہن کو بھی چھیڑتی ہے۔ جذبے اور خیال کی یہ سادہ آمیزش' دل اور دماغ کی یہ سنگت اگر مشاعرے میں پڑھنے کی مجبوری سے حاصل نہیں ہوئی تو کہاں سے ہوئی ہے۔ جیسا کہ آپ کو عالی کا کلام پڑھ کر اندازہ ہوگا' ان کے یہاں جو ایک ہلکی کھٹک اور چبھن ملتی ہے وہ انسانی زندگی اور انسانی جذبات کے اندرونی تضاد اور کشاکش کے احساس نے پیدا کی ہے۔ یہ شعور عالی کے یہاں ابھی تک اتنا گہرا تو نہیں کہ بڑی شاعری پیدا کر سکتا' لیکن اس حد تک ضرور موجود ہے کہ ان کی شاعری اور شخصیت دونوں کے لیے خطرناک بن سکتا تھا۔ اس احساس کے طفیل اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ آدمی کی شاعری اور شخصیت دونوں گھٹن، جھلاہٹ اور بیچارگی کی دلدل میں پھنس کر رہ جائیں۔ عالی اپنی مشاعرے بازی اور مجلس آرائی کا شمار اپنی حماقتوں میں کرتے ہیں لیکن ان ہی چیزوں کی مدد سے انھوں نے اپنے آپ کو اس شکستگی سے محفوظ رکھا ہے جس کی طرف میں نے اشارہ کیا' اور یہیں سے انھیں وہ توانائی اور استقامت ملی ہے جو ان کی غزلوں کے نفسِ مضمون میں ہی نہیں بلکہ لہجے میں بھی گونجتی ہے مشاعرے بازی کی عادت نے

دو ہے

عالی کو وہ جذباتی توازن اور تمکنت بخشی ہے جس کے لیے انھیں مشاعرے کا ممنونِ احسان ہونا چاہیے۔ مشاعرے میں ابھی تک کتنی زندگی ہے، اور یہ شاعروں کو کیا کچھ دے سکتا ہے، اس کے ثبوت میں عالی کا کلام پیش کیا جا سکتا ہے۔

اب عالی کی شاعری کا ایک اور پہلو دیکھیے، یعنی ان کی شاعری اور شخصیت کا ایک دوسرے سے رشتہ۔ اس میں شک نہیں کہ عظیم ترین شاعری ہمیشہ شاعر کی شخصیت سے اتنی آگے ہوتی ہے کہ ہم اس کا شمار مظاہرِ فطرت میں کر سکتے ہیں۔ لیکن اس سے نیچے شاعری کے جتنے بھی درجے ہیں ان میں شاعری اور شخصیت کا تعلق کئی شکلیں اختیار کر سکتا ہے۔ کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ شاعر کی شخصیت میں وہ امکان نظر نہیں آتے جن کا اظہار اس کی شاعری کرتی ہے۔ ایسی صورت میں شاعر کی ذات کا وہ حصہ شعر میں بولتا ہے جو کسی اور شکل میں بروئے کار نہیں آیا۔ بعض شاعر ایسے ہوتے ہیں جن کی شاعری اپنی جگہ وقیع ہوتی ہے، مگر ان کی شخصیت میں کہیں زیادہ تنوّع اور توانائی نظر آتی ہے۔ یعنی ان کی شخصیت ان کی شاعری سے آگے نکل جاتی ہے، یا یوں کہیے کہ شاعری شخصیت کے برابر تک نہیں پہنچ سکتی۔ بعض دفعہ شاعری اور شخصیت میں بالکل ہی تضاد ہوتا ہے۔ ایسے آدمی کی شخصیت دو الگ خانوں میں بٹی ہوتی ہے، ایک حصہ زندگی میں عمل کرتا ہے دوسرا شاعری میں۔ پھر کچھ ایسے شاعر ہوتے ہیں جن کی شاعری ان کی شخصیت کو مسخ کر دیتی ہے، اور اس کے برخلاف وہ لوگ ہیں جن کی شخصیت ان کی شاعری کو توڑ مروڑ کے رکھ دیتی ہے۔ عالی کی شاعری ان کی شخصیت کا مکمل اظہار ہے۔ نہ یہ آگے نہ وہ پیچھے۔ نہ تو شخصیت نے شاعری کو ٹھکرایا ہے، نہ شاعری نے شخصیت کا گلا گھونٹا ہے۔ عالی کے یہاں ان دونوں میں مکمل یگانگت ہے۔ عالی نے شاعری کو اپنی شخصیت کے ناآسودہ تقاضوں کے اظہار یا تسکین کا ذریعہ نہیں بنایا۔ ان کی شخصیت کے تمام پہلو ان کی شاعری میں اجاگر ہیں، اور اسی طرح ان کی شاعری میں بھی کوئی ایسا عنصر نہیں ملے گا جو ان کی شخصیت میں نہ ملتا ہو۔ ایک لحاظ سے یہ خامی بھی ہے کیونکہ شخصیت کے اندر محدود ہو کے رہ جانا شاعر کے لیے کوئی اچھی

بات نہیں۔ اس طرح آدمی اچھے شعر تو کہہ سکتا ہے، لیکن پوری شاعرانہ عظمت حاصل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ میرا تو یہی جی چاہتا ہے کہ عالی اب اپنی شاعری میں وسعت کے ساتھ ارتکاز بھی پیدا کریں، کیونکہ اوپر اٹھنے کے لیے پہلے اپنے آپ کو سمیٹنا لازمی ہوتا ہے۔ بہرحال عالی کی موجودہ شخصیت اور شاعری میں اتنے مختلف رنگ موجود ہیں کہ اُن کے کلام سے اُکتاہٹ نہیں ہونے پاتی۔ یہ رنگا رنگی بذاتِ خود ایک لطف کی چیز ہے۔ پھر عالی کے یہاں اس بات کا شائبہ تک نہیں ملتا کہ وہ کسی جذبے سے کترا رہے ہوں یا اس کے اظہار میں حجاب سے کام لے رہے ہیں۔ کھلے دل سے بات کرنے اور جھینپے اور گھبرائے بغیر جذبات کا بے لاگ طریقے سے اظہار کرنے کی بدولت ان کے کلام میں ایک ایسی سادگی اور معصومیت آگئی ہے جس کی آرزو ہر شاعر کو ہونی چاہیے اور اس معصومیت کا راز یہی ہے کہ وہ اپنی شخصیت کے کسی گوشے کو نہ تو زندگی میں غیر آسودہ رکھتے ہیں نہ شاعری میں، اور اپنی شخصیت کو اس کی خوبیوں اور خامیوں سمیت قبول کر لیتے ہیں۔ الم ہو یا نشاط، کامیابی ہو یا محرومی، کسی چیز کے بیان میں ان کی آواز ڈر سے کپکپاتی نہیں۔ وہ ہمیشہ جم کر بولتے ہیں۔ جذبات کا خوف عالی میں نام کو نہیں۔ میرے خیال میں یہ ان کی سب سے بڑی خوبی ہے، اور مجھے یقین ہے کہ اس قوت کے بل پر وہ اگر چاہیں تو اس سے بھی بہتر شاعری تخلیق کر سکتے ہیں۔

جذبات کے بے جھجک، بے لاگ، براہِ راست اور معصومانہ اظہار کا یہ مطلب نہیں کہ عالی نے دماغ کو چھٹی دے دی ہے۔ چونکہ عالی ہر قسم کے جذبے کو بے کھٹکے قبول کر لیتے ہیں، اس لیے متضاد تجربوں کے آپس میں ٹکرانے کا موقع تو یوں ہی فراہم ہو جاتا ہے، پھر جذبے کے اندر رہتے ہوئے بھی اسے باہر سے دیکھنے کا، جانچنے کا شوق عالی نے غالب سے ورثے میں پایا ہے۔ وارفتگی کے عالم میں بھی وہ اپنا مشاہدہ کیے بغیر باز نہیں رہ سکتے۔ جذبات کے مشاہدے اور موازنے سے ان کے یہاں ایک حد تک مضمون آفرینی کا رنگ بھی آگیا ہے جس میں غالباً فارسی شاعری کے مطالعے کو بھی دخل ہے۔ ذہن جذبے میں

کھو بھی جائے اور اس سے الگ رہ کر کام بھی کر رہا ہو، اس بات سے ان کے عشق تک میں ایک رکھ رکھاؤ اور سلیقہ آگیا ہے، ان کے کسی شعر سے یہ نہیں ٹپکتا کہ عشقیہ جذبات نے انھیں پیس کر رکھ دیا ہو۔ عشقیہ زندگی میں سب سے بڑی قوت تو یہ ہوتی ہے کہ آدمی ڈھے جانے کے بعد پھر اُٹھ کھڑا ہو، اور اس طرح کہ زمین پر قدم پہلے سے بھی زیادہ مضبوطی سے جمے ہوں، لیکن ایسا تو اُردو شاعری میں بس دو بار ہی ہوا ہے، ایک تو میر کے یہاں دوسرے فراق کے یہاں۔ لیکن اگر یہ نہیں تو آدمی میں اتنی طاقت تو ہو کہ ڈھے جانے کے بعد لیٹا کا لیٹا ہی نہ رہ جائے۔ عالی کو سنبھلنا آتا ہے اسی لیے گداز کے باوجود، ان کے عشق میں سڑاند پیدا نہیں ہوتی۔ کسی قسم کی پینترے بازی کے بغیر عالی اپنے آپ کو غم کی گراوٹ سے بچا لے جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کے اندازِ بیان میں جو نفاست، شگفتگی اور بانکپن ہے، اس میں فارسی ترکیبوں کے علاوہ بہت بڑا دخل ان کے مزاج کی صحت مندی کا بھی ہے۔ محبوب کے مقابل اکڑنے، برسنے کا انداز ان کے یہاں نہیں، بلکہ اپنی ہستی پر ناز، یا اپنی شخصیت کا سرور ہے جو ان کے عشق میں ہیچ پچا پن نہیں آنے دیتا، اور دوسری طرف ان کی شاعری کو ایک ایسی شوخی چلبلاپن اور طربیہ کیفیت بخشتا ہے جو فی زمانہ کمیاب ہے۔ عالی کی شاعری بے حاصلی کا رونا جھینکنا نہیں۔ ان کے غم میں بھی جوانی کا نکھار ہے۔ عالی کا نشاط ہی نہیں بلکہ الم بھی ایک لہک رکھتا ہے۔ جذب اور قرار کا ایسا امتزاج عالی کی عمر کے شاعروں میں ذرا کم ہی ملے گا۔

رہے عالی کے دوہے، تو میں یہ فیصلہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا کہ ہندی کے مشہور دوہوں کے مقابلے میں ان کی کیا قدر و قیمت ہے۔ البتہ اپنی جگہ عالی کے دوہے اپنا ایک الگ لطف رکھتے ہیں۔ انھوں نے ایک عقلمندی یہ کی ہے کہ تلسی داس یا کبیر کی زبان میں نہیں لکھا۔ اس پرانی زبان کے پھیر میں پڑ کر بعض دفعہ آدمی تلسی داس یا کبیر کے خیالات و جذبات اپنے اوپر اس طرح حاوی کر لیتا ہے کہ شاعرانہ خلوص میں کمی آجاتی ہے، اور دوہے نویسی محض

ایک ادبی مشق بن کر رہ جاتی ہے۔ عالی نے اپنے دوہوں کے لیے مروّجہ اردو میں ہندی کے دس پانچ مقبول الفاظ ملا کر ایک خاص زبان وضع کی ہے جس کی وجہ سے ان کے دوہوں کی تازگی دوبالا ہوگئی ہے۔ پھر عالی نے ہندی شاعروں کے خیالات اور احساسات کی روایت کا تتبع کرنے کی بجائے، اپنا ذاتی تجربہ پیش کیا ہے۔ یعنی عالی کے دوہوں میں اسالیب بھی خود اُن کے ہیں اور نفسِ مضمون بھی۔ لہٰذا عالی کے دوہوں کا تلسی داس اور کبیر کے دوہوں سے مقابلہ و موازنہ کرنا کافی نہیں۔ عالی نے دوہے کو ایک نئی شکل میں زندہ کیا ہے۔ اس لیے ہمیں دیکھنا یہ چاہیے کہ عالی کے دوہوں میں زندگی ہے یا نہیں۔

عالی کے دوہوں میں مضامین کا تنوع غزلوں سے بھی زیادہ ہے، چونکہ اس صنف کو انھوں نے گویا اپنی اختراع کے طور پر برتا ہے، لہٰذا یہاں اُنھیں آزادی بھی زیادہ حاصل رہی ہے۔ یوں تو انھوں نے دوہوں میں ہمارے زمانے کی زندگی کے بہت سے پہلوؤں پر تبصرہ کیا ہے، لیکن وعظ یا اخلاقی درس کا رنگ کہیں نہیں پیدا ہونے دیا۔ ان کی حیثیت شاہد کی رہی ہے جو زندگی کی رنگا رنگی سے لطف لیتا ہے اور آگے چل پڑتا ہے۔ حُسن و عشق کے معاملے میں بھی یہاں ان کا یہی رویّہ رہا ہے۔ لیکن جہاں تک حُسن کے مشاہدے کا تعلق ہے ان کی ایک نظر بھی مشہود کا سارا رنگ روپ نچوڑ لائی ہے۔ وہ ہرے بھرے اور جیتے جاگتے احساسات جو عالی کے دوہوں میں ملتے ہیں وہ ان کی غزلوں میں بھی نہیں دکھائی دیتے۔ اپنی جمالیاتی حِس کے آزادانہ اظہار کے لیے عالی نے چُنا ہی اس صنف کو ہے۔ عالی کی جذباتی معصومیت جو غزلوں میں بھی نمایاں رہی ہے، یہاں آ کے دوچند ہوگئی ہے۔ اس اعتبار سے یہ دوہے ہمارے زمانے کی اُردو شاعری میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ یوں کہنے کو دوہے اس زمانے میں اور لوگوں نے بھی کہے ہیں، لیکن عالی کا سا رچاؤ اور بے ساختگی کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ اب عالی اس فکر میں ہیں کہ اس صنف سے کوئی اور بھاری کام لیا جائے۔

غزلیں ہوں یا دوہے، عالی دونوں طرف آگے بڑھنے اور پھیلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کے ذہن کی لچک سے مجھے قوی اُمید ہے کہ آیندہ وہ اُردو شاعری میں اور بھی گراں قدر اضافے کریں گے۔ ذاتی طور پر میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ عالی ان دو ڈھائی شاعروں میں سے ایک ہیں جن کی شاعری سے مجھے آج بھی دلچسپی ہے، اور جن کی نشو و نما کا میں بغور مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔

محمد حسن عسکری

پہلا باب

پہلے مجموعے

”غزلیں، دوہے، گیت“

سے

دوہے کبت کہہ کہہ کر عالی مَن کی آگ بجھائے
مَن کی آگ بجھی نہ کسی سے اُسے یہ کون بتائے

عُمر گنوا کر پیت میں ہم کو اتنی ہوئی پہچان
چڑھی ندی، اور اُتر گئی، پر ہو گئے گھر ویران

ایک تو یہ گھنگھور بدریا پھر برہا کی مار
بوند پڑے ہے بدن پہ ایسے جیسے لگے کٹار

کدھر ہیں وہ متوارے نیناں کدھر ہیں وہ رتنار
نس نس کھنچے ہے تن کی جیسے مدرا کرے اُتار

ساجن ہم سے ملے بھی لیکن ایسے ملے کہ ہائے
جیسے سوکھے کھیت سے بادل بِن برسے اُڑ جائے

جنم مرن کا ساتھ تھا جن کا اُنھیں ہے ہم سے بَیر
واپس لے اب تو عالی ہو گئی جگ کی سَیر

چھوٹے بڑوں کے سنگم کا سب دیکھ لیا انجام
پاٹ بڑھایا جمنا نے، پر ہے گنگا کا نام

نا مرے سر کوئی طرّہ کلغی نا کیسے میں چھدام
ساتھ میں ہے اک ناری سانوری اور اللہ کا نام

آپ بنا بنجارہ میں اور آپ بنائی باٹ
سچ کہیو رے دیکھنے والے ایسے کس کے ٹھاٹ

بیتے دنوں کی یاد ہے کیسی ناگن کی پھنکار
پہلا وار ہے زہر بھرا اور دوجا امرت دھار

ٹھنڈی چاندنی، اُجلا بستر، بھیگی بھیگی رین
سب کچھ ہے پر وہ نہیں جن کو ترس گئے مرے نین

اپنے ہی من کا رونا کیا ہر من میں لگی ہے آگ
ساجن مِل کر جُدا نہ ہوں اے سکھی یہ کس کے بھاگ

ٹہل ٹہل کر اب تو دیکھی جائے نہ اُن کی باٹ
چل رے عالیؔ دوار کے باہر ڈالیں اپنی کھاٹ

نیند کو روکنا مشکل تھا پر جاگ کے کاٹی رات
سوتے میں آجاتے وہ تو نیچی ہوتی بات

روپ بھرا مرے سپنوں نے، یا آیا میرا میت
آج کی چاندنی ایسی جس کی کرن کرن سنگیت

کہو چندرما آج کدھر سے آئے ہو جوت بڑھائے
میں جانوں کہیں رستے میں مری ناری کو دیکھ آئے

میٹھی میٹھی کسک تھی دل میں نا کوئی دکھ نا سوگ
دو ہی دن کے بعد مگر یہ پریت تو بن گئی روگ

نا تری ایسی بالی عمریا نا ایسی نادان
پر جب ہم کوئی بات کہیں تو بنے یونہی انجان

چال پہ تیری گج جھومیں اور نیناں مرگ رجھائے
پر گوری وہ روپ ہی کیا جو اپنے کام نہ آئے

گھنی گھنی یہ پلکیں تیری یہ گرماتا روپ
تو ہی بتا او نار میں تجھ کو چھاؤں کہوں یا دھوپ

عالی اب کے کٹھن پڑا دیوالی کا تیوہار
ہم تو گئے تھے چھیلا بن کر بھیا کہہ گئی نار

یہ ہر سندر نار کو تکنا یہ جھک جھک پرنام
عالی تُو تو گیانی دھیانی یہاں ترا کیا کام

دکھا تو آخر چولی سے کیا چیز یہ ابھری آئے
گوری ہم تو چنگی بابو ہم سے کیوں شرمائے

دوہے

ہر اک بات میں ڈالے ہے ہندو مُسلم کی بات
یہ نا جانے اَلھڑ گوری پریم ہے خود اک ذات

وہ اندھیاروں میں کل عالی بن گئی اپنی بات
اک طرف تھی وکنی ابلا ایک طرف تھی رات

کس کس اونچے گھر کی ایک سے ایک نویلی نار
عالی تو خود کس گھر کا ہے چُپ بھی رہ اب یار

گئے تلنگا نے بھی عالی دیکھے واں کے ڈھنگ
تن پاپی تو یونہی رہا پَر من ہوا ان کے سنگ

دوہے

واہ تلنگانے کی مائیں جنیں جو ایسے لال
جو اندر سے ہیرے موتی باہر سے کنگال

اپنا تو جیون ہے عالیؔ سادھو کا بیوہار
ہم میں ایسے ڈھنگ کہاں جو کرتے دیش سُدھار

بمبئی شہر جو پہنچے عالیؔ آنکھیں تھیں حیران
کتنی چوڑی چوڑی سڑکیں کتنے اونچے مکان

شہر کے اندر ریل چلے اور ہر پَل اک تیار
بھائی کو بھائی نہیں پہچانے گھڑی تکے ہر بار

میراجی کو کرشن نہ دیکھیں سیٹھ سے آنکھیں لڑائیں
منٹو اپنی راہ نہ بھولیں بگٹٹ دوڑے جائیں

بمبئی، پونہ، حیدرآباد نہ آئے ہم کو راس
پیٹ کو بھر کر کیا کیجیے جب من ہی رہے اُداس

واں وہ نین کنول مُرجھائے سوکھ گیا یاں ہاڑ
بھوک کی گرمی سب کو بھونے ندی ہو کہ پہاڑ

میں نے کہا کبھی سپنوں میں بھی شکل نہ مجھ کو دکھائی
اس نے کہا بھلا مجھ بِن تجھ کو نیند ہی کیسے آئی

کیا جانے یہ پیٹ کی آگ بھی کیا کیا اور جلائے
عالیؔ جیسے مہاکوی بھی "بابو جی" کہلائے

اے بھیّن یہ بابوگیری کیا کیا کھیل کھلائے
یوں تنخواہ کی راہ تکیں کہ سجنی یاد آئے

"روٹی" جس کی بھینی خوشبو ہے ہزاروں راگ
نہیں ملے تو تن جل جائے، ملے تو جیون آگ

○

چھنن چھنن خود باجے مجیرا آپ مُرلیا گائے
ہائے یہ کیا سنگیت ہے جو بن گا ہک اُبھرآئے

ایک ہی دھن یوں تھرّائی ہے سوتے دُکھ گئے جاگ
ایک ہی لَے یوں لہرائی جیسے ناچیں ناگ

دُھندلی دُھندلی کُہر کے پیچھے کرنوں کی جھنکار
اُتھلا جل اور گہری کائی ناچیں ہار سنگار

اک اک تال، کھرچ لے من کو، اک اک سُر پر پیاس
اک اک سُر کی بدن جلائے جیسے آگ پہ گھاس

گت میں چندن باس کا جھونکا توڑ میں کندن روپ
نیچے سُر میں چھاؤں بھری ہے اونچے سُر میں دھوپ

سات سُروں کے سات ستارے سات ہی جن کے رنگ
سب جھلکیں اک سرگم میں پر اپنے اپنے ڈھنگ

جا کوئی کہہ دے حالیؔ سے بس گائے جی بہلائے
جو سنگیت کا بھید کریدے خود بے سُر ہو جائے

عالؔی جی اک کوی رسیلے دھنک سے جن کو پیار
پہنچ گئے اک گاؤں کبھی جو دھنک کے ہے اُس پار

دیکھا واں اک تاج سجل جہاں گیا کوئی نہ جائے
گیاؔ سے سرکار کا بجرا میلا نا ہو پائے

آلھا اودل گانے والے پیاڑے سے کترائیں
ہل کا بوجھ اُٹھانے والے ڈنڈے سے دب جائیں

کھیت کٹا تو لے گئے ٹھاکر منشی ساہوکار
گھر پہنچے تو بھوک بہو اک برچھی سی دے مار

کھیتی سونا چاندی اُگلے گھر میں پہنچے روگ
پاسی آگ انگار چباٹے بنیے اُڑائیں بھوگ

عالیؔ نے اک لیا مجیرا اور چھیڑا یہ راگ
جس کا کھوج لگا پچھم میں پر جو سب کی آگ

اے بھیتن یہ کھیت ہمارے ہیں یں سے سرکار
اے بھیتن ہم ایک ہی ندی وہی اور وہی دھار

اے بھیتن اس دھرتی ماں کی کوکھ میں سب کا ناج
اے بھیتن اس دھرتی ماں پر ایک کرے کیوں راج

اے بھیتن یہ تیری باہیں جیسے لوہا لاٹ
اے بھیتن یہ تیری باہیں سب کو کرائیں ٹھاٹ

اے بھیتن ہم بندی چاکر اور ٹھاکر مہاراج
اے بھیتن ہم آگ چبائیں یہ کھائے کئی ناج

چھوٹے اک دوجے کو جلائیں بنتے جائیں راکھ
نیتا ناہیں ہاتھ مزے سے اور بڑھائیں ساکھ

ہم سب اس کے پریم پجاری ہم سب اس کے داس
پر یہ کیا انیائے کہ بھگون ہے بنیے کے پاس

اے بھیتن وہ دیکھ سمے نے اپنی تان لگائی
اے بھیتن وہ ہوا سویرا نئی کرن لہرائی

اک دوجے کا ہاتھ پکڑ لو اور آواز لگاؤ
اے اندھیارو! سورج آیا، سورج آیا، جاؤ

○

بابوگیری کرتے ہو گئے عالی کو دو سال
مُرجھایا وہ پھول سا چہرہ بھورے پڑ گئے بال

دھیرے دھیرے کمر کی سختی کُرسی نے لی چاٹ
چُپکے چُپکے مَن کی شکتی افسر نے دی کاٹ

دھرتی سے آکاش پہنچتے دھنک نے کیا بل کھائے
کوئی دیکھے کوئی سوچے من سب کا لہرائے

نا کوئی اس سے بھاگ سکے اور نا کوئی اس کو پائے
آپ ہی گھاو لگانے تمے اور آپ ہی بھرنے آئے

○

سُنو سُنو! یہ بالک میرا یوں ہی نا چِلّائے
کہوے ہے اِس بندی گھر میں کا ہے مجھے لے آئے

آتما جیسی بانکی تتلی جب بن جائے شریر
اور نہ جانے اب جیون کی کیا کیا ہو تاثیر

اے بالک اس چکر کو پرماتما خود بھی روئے
جیون کی تو ذات ہی کالی کون بِسیا ہی دھوئے۔

اے بالک تو مُجگ مُجگ جیوے رکھیو یاد یہ بول
جیون کے اندھیارے میں ہے دُکھ ہی سُکھ کا مول

اے بالک اس جگ میں رکھیو آندھی جیسے ٹھاٹ
نیچے پودے اونچے کیجو، اونچے دیجو کاٹ

اے بالک، سب دھوکا ہے، وہ نیائے ہو یا انیائے
پر وہ دھوکا کبھی نہ دیجو، جو تو آپ نہ کھائے

عالیؔ جی اک دوست ہیں اپنے جن کا ہے یہ کام
جیون بھر نردوش رہیں اور جیون بھر بدنام

کوئی کہے یہ لیے پھرے ہے روز نئی اک نار
کوئی کہے یہ بڑا اُکھی ہے اس کے ہزاروں یار

کوئی کہے یہ پھلواری ہے کوئی کہے ویران
کوئی کہے یہ بگلا بھگت ہے کوئی کہے گُنوان

کوئی کہے یہ راج کوی ہے سورج اس کی راس
کوئی کہے یہ سوکھا پھول ہے اس میں رنگ نہ باس

کوئی کہے اِسے جیون ساتھی کوئی کہے جنجال
کوئی کہے اسے اُتھلا پانی کوئی کہے پاتال

کس کو خبر یہ ہنس مکھ عالی کیا کیا چھُپ کر روئے
جیسا ساتھی من ڈھونڈے تھا ویسا مِلا نہ کوئے

دوہے

کون ہے جس سے ملے بنا بھی اسی کا ہردم دھیان
کون ہے جس کے بدن کی دوری کھینچ رہی ہے جان

کون ہے جس کی یاد سے ہی بھری نس نس میں ہے آگ
کون ہے جس کے دھیان سے ہی ہر رُوپن جھکورا راگ

کون ہے جس کی آنکھ کا موتی میری آنکھ میں اوس
کون ہے جس کی خوشبو میرے ساتھ ہزاروں کوس

ڈھونڈو میری ناری کو ہے اس کی اک پہچان
چکھ لو تو پھل ہے اور پوجو تو بھگوان

جن کے پاؤں کی مٹّی سونا، جن کی نظر تلوار
عالؔی جیسے بھوکے بانکے چاہیں ان سے پیار

شہر میں چرچا عام ہوا ہے ساتھ تھے ہم اک شام
مجھے بھی جانیں تجھے بھی جانیں لوگ کریں بدنام

پیار کروں تو بات کٹے اور بات میں جائے پیار
باندے ری باوری ایلا ہوتے تیرے ہونٹ ہزار

ہر اک نار یہ پوچھے اس سے کون تھی پہلی نار
عاؔلی کس کس سے کیا کہوے پریم بنا بیوپار

جاڑا آیا ٹھنڈی ہوائیں من سب کے برمائیں –
کتنے دور کی بات ہے گوری ہم تجھے یاد نہ آئیں

عاؔلی سے ہی مان کرے ہے عاؔلی سے ہی پیار
باورے باورے نینوں والی ہے کتنی ہشیار

موتی کوٹ کے مانگ بھروں چندن سے دھوؤں تیرے بال
ہائے یہ سُندر انگ انوکھا ہائے یہ تیری چال

بن کنگن بن چوڑی بانہیں کُندن جیسا رنگ
من میں کیا کیا آتی ہے جب ہم ہوں تیرے سنگ

کوئی کہے مجھے نانک پنتھی کوئی کبیر کا داس
یہ بھی ہے میرا مان بڑھانا، ہے کیا میرے پاس

اکبر شاہ نے راگ سُنا اور ہم نے دیکھی یار
صرف نظر سے آگ لگانے والی دیپک نار

بول ہزاروں روپ بھرے، پر دھرم ہے میرا پیت
نا مری بانی غزل ہے پیارے، نا دوہے نا گیت

○

ایک بدیسی نار کی موہنی صورت ہم کو بھائی
اور وہ پہلی نار تھی بھیّا جو نکلی ہرجائی

کیسے کیسے وقت گزارے ہم نے اس کے سنگ
کیسے کیسے ناچ رہے اور کیسے کیسے رنگ

مدرا پی کر بہکے گوری، بہک بہک کر لہرائے
اور اپنا یہ حال کہ جیسے نس نس دل بن جائے

اس کا رمبا سمبا ٹنگو اپنے ٹھمری کھماچ
کیا کیا جھٹکے کیا کیا لہریں کیا گانے کیا ناچ

ہم بھی تازہ پھول سے چھیلا وہ بھی روپ بہار
لیکن پریم سے بڑھ کر پیارے پیسے کی ہے مار

کوٹے گئے تھے کوِتا پڑھنے لے کر کیا کیا جال
بے گُن بے دھن واپس آئے عالؔی یہ کیا حال

مِل گئی کوئی نار نئی یا کوئی پُرانی میت
آخر کیسے ہار بنی یہ جیون بھر کی جیت

عالؔی جی کے مُنہ پر مُہریں عزّت دھرم سماج
خیر اک دن سب بات کھُلے گی لاکھ چھپاؤ آج

اُودا اُودا بادل گہری کالی گھٹا بن جائے
اس کے دھرم میں فرق ہے جو اس موسم کو ٹھکرائے

ٹھنڈے پَوَن جھکورے آئیں تیری یاد دلائیں
ہم کچھ بھی کہیں مَن تجھے مانگے مَن کو کیا سمجھائیں

○

نتھیا گلی کا پائن ہوٹل سرگ سماں ہے یار
رنگ برنگے پھول کے تختے رنگ برنگی نار

واہ کی کنواری جس کے اک اک انگ میں کیا کیا لوچ
جس پر آنکھ کا پل بھر پڑنا جیون بھر کی سوچ

بُرقع پوش پٹھانی جس کی لاج میں موموروپ
کھل کے نہ دیکھی پھر بھی دیکھی ہم نے چھاؤں میں دھوپ

باپ نہ ہوتا ساتھ تو ہم کہہ جاتے مَن کا حال
اک بل میں دو پنچھی پھانسے پریم نہیں وہ جال

بیر بہوٹی رنگت والی اک ناری انگریز
بات میں کتنی سیدھی سنبھلی گھات میں کتنی تیز

جرمن کی کیا ٹھوس جوانی کیا رنگت کیا ہاڑ
اس کے بوجھ سے دل پھٹ جائے چیز ہی کیا ہے پہاڑ

ایک فرانسیسی اَبلا تھی الگ تھلگ چُپ چاپ
ایسے پیارے لوگ دُکھی ہوں ہائے رے یہ کیا پاپ

اک لاہور کی تیکھی بانکی پڑھی لکھی مغرور
شاعر کو آوارہ کہوے افسر کو مزدور

عالیؔ تیرا بھید ہے کیا ہر دوہے پر بل کھائے
میں جانوں ترے پاپی من کو گھر والی یاد آئے

گھر والی جو سکھوں کی ساتھی دکھوں میں تیری داس
جھوٹا ہو رکھے سچا جانے رکھے تری ہی آس

وہ ترے بچے پالنے والی وہ ترے گھر کی لاج
کیا اسے بھول کے مست ہوا ہے تجھ پر کو یراج

دوہے

جیون بوجھ بہت بھاری اور بوجھ کے سو سو ٹھاٹ
سامنے ہے اک لمبا مرگھٹ جس کو کہہ دیں باٹ

اوپر سورج خود دہکے نیچے دھرتی دہکائے
پھر کیوں کر دَم لے نہ مسافر چھاؤں جہاں آ جائے

کیسے کیسے دِیے جلے پر وہی رہا اندھیر
بڑے بڑے وہی ڈوری پکڑیں چھوٹوں کے وہی پھیر

تہ میں بھی ہے حال وہی جو تہ کے اوپر حال
مچھلی بچ کر جائے کہاں جب جل ہی سارا جال

لیے پھریں دُکھ اپنے اپنے راجا میر فقیر
کڑیاں لاکھ ہیں رنگ برنگی ایک مگر زنجیر

سُکھ بانٹے دُکھ مول لیے جل بانٹا کھائی آگ
پھر بھی کبھی کبھی مَن پاپی ڈسے ہے بن کر ناگ

یو.پی کی اَبلا دکن کی اَبلا یا پنجاب کی نار
سنالی اپنے مَن پر سب کے گہرے گہرے وار

کوئی بھی سُندر نار کسی بدصورت کے گھر جائے
نیاسے کہو یا لالچ سمجھو مرے مَن کو نا بھائے

کیا بھرمر کیا شربھ بیودھر کیا کھچپ کیا بیال
اپنا چھند الگ ہے جس کا نام ہے عالیؔ چال

سورؔ، کبیرؔ، بہاریؔ، میراؔ، رحمنؔ، تلسی داس
سب کی سیوا کی پر عالیؔ گئی نہ من کی پیاس

اُردو والے ہندی والے دونوں ہنسی اُڑائیں
ہم دل والے اپنی بھاشا کس کس کو سکھلائیں

ہم نے پڑھی ہر دیس کی پُستک دیکھے چاروں وید
چین سے لے کر لندن تک ہے ایک ہی نا ٹکہ بھید

من کے ایک علی بابا کے پیچھے لاکھوں چور
ان ہی چوروں میں من یوں گھومے جیوں جنگل میں مور

کس کس پر ڈولے گا منوا ہر کوئی چھب دکھلائے
کس کس کو روئیں گی آنکھیں اک آئے اک جائے

پہنیں مولسری کے کنٹھے سونگھیں سُرخ گلاب
پاکستان میں جو ہوں عالی دلّی میں تھے نواب

ایک ہی مطلب عالی جی کا ایک ہی ان کی چال
سوکھے چٹیل راجستھان سے ہرے بھرے بنگال

کانٹے چُننا، کلیاں چُننا، چُننا ڈھاک اور پات
کیا جانے کب کون ملے کب کیا آجائے ہات

عالیؔ جی کی کویتا میں کچھ جھوٹے سچے بھاؤ
نا تو کوئی گمبھیرتا اس میں نا کوئی اس میں رچاؤ

اگنی سی ہے روئیں روئیں میں نس نس دُکھ سے چور
عالیؔ ہم پر جیون کا جو وار پڑا بھرپور

اک گہرا سنسان سمندر جس کے لاکھ بہاؤ
تڑپ رہی ہے اس کی اک اک موج پہ جیون ناؤ

کیا جانے یہ چلی کہاں سے اور کہاں تک جائے
کون کنارا چھوڑ آئی ہے کون کنارا پائے

نا تو جھوٹا میل رکھے ہے نا رہ رہ مُسکائے
عالی تو ہی بتا کوئی تجھ کو کا ہے میت بنائے

اگنی پوجیں، سورج پُوجیں، پوجیں جل اور ناگ
عالی اپنی نار کو پوجیں یہ عالی کے بھاگ

دوسرا باب

دوسرے مجموعے

"لاحاصل"

سے

چاند اُڑا کر سب ہیں مگن، پر سوچ میں ہیں کچھ لوگ
یہ دھرتی کا مان بڑھا ہے یا دھرتی کے روگ

کنوارا جسم اور کنواری آتما ہے کوئی ایسی نار
تو بھگوان اب عالی مانگے نئے نئے اُوتار

کچے محل کی رانی آئی رات ہمارے پاس
ہونٹ پہ لاکھا گال پہ لالی، آنکھیں بہت اُداس

تیس روپے یہ بیس ہیں اس کے دس لیوے دلّال
اتنا مہنگا شہر اور اس میں ایسا سستا مال

○

اے رانی اب دل پر رکھ کر کھینچ نہ لینا ہاتھ
اے راجا ہن آج تری کل اور کسی کے ساتھ

اے رانی میں سُر ساگر ہوں اور کوئی انمول
اے سُر ساگر مہا کوی بس اپنے بھید نہ کھول

سُر ساگر کی ریت سنی تھی اک اک لہر میں پیار
تیرے سُر کی تال میں نکلی پیسے کی جھنکار

ناہمیں جانے، ناہمیں پرکھے ناسمجھے کوئی بات
یوں گزرے تو کیا گزرے گی اتنی لمبی رات

اے راجا جب میں پل بھر میں ہوئی تجھے جنجال
مجھ سے پوچھ کہ میں نے کیسے کاٹے اتنے سال

پنڈی دیس میں کویتا پڑھنے عالی جی کیا آئے
کوئی غزلوں پر سر دھن لے کوئی دوہوں پر مٹ جائے

کہیں مدرا کا مینہ برسے اور کہیں دعوت کی دھوم
کوئی بڑھ کر سینے سے لگا لے اور کوئی لے چوم

کوئی پستک پر نام لکھا کر خوشبوؤں سے بسائے
کوئی پلو پر دوہے کاڑھے اور سب کو دکھلائے

کوئی کہے تری بانکی غزلیں ہر پریمی کا مان
کوئی کہے ترے تیکھے دوہے سخت کٹیلے بان

روز اک محفل اور ہر محفل ناریوں سے بھرپور
پاس بھی ہوں تو جان کے بیٹھیں عالیؔ سب سے دور

بھولے بھٹکے اِدھر اُدھر کو جب بھی آنکھ اُٹھائیں
گھر والی کی چوکس نظریں چُپکے ہی چُپکے کھائیں

کوئی سادہ سی کامنی مورت کوئی ہزاروں بھیس
کوئی بولے اور برسیں پھول اور کسی کی چُپ سندیس

نا یہ پھول مرے دامن کے نا وہ میرے نام
میرے بہانے لوگ نکالیں اپنے اپنے کام

ظاہر اچھے گھرداروں کا باطن پاپی چور !
کیا کوُکے گا، کیا ناچے گا چڑیا گھر کا مور !

راے تجمّل سین کی محفل اک مینا بازار
کیسی چھوئی موئی، کیسے گیندرے، کیسے کھلے انار

اس محفل میں کون نہیں ہے ہاں مرا یار نسیم
سب سے الگ اور سب سے انوکھا وہ ہرجائی قدیم

بچپن سے ہم ساتھ ہیں کتنے اور ہیں کتنی دور
دونوں اک دوجے کے پریمی اور دونوں مہجور

اور میجر منّان کہ سب سے ناخوش سب کا یار
دھیما دھیما تیکھا تیکھا گھلا ملا بےزار

باقی جس کی غزلیں اس کے نام کے روپ دکھائیں
ہائے رے پنڈی والے اس سے کیا کیا بوجھ اٹھوائیں

یوسف ظفر کی نظمیں جیسے اگنی اوپر ناگ
ہائے رے پنڈی تونے اسے بھی دے ہی دیا بیراگ

مُنہ سے نہ بولے سر سے نہ کھیلے اور مجسم پیار
میری جان عمر شر پا بھی پنڈی دیس میں خوار

فطرت جس کو خود قدرت نے شعر کیا الہام
پنڈی والے اس کو ڈاک کے ٹھپے دیں انعام

کرموں والا اکرم کہ جس کی لے کا اپنا انگ
پنڈی والے مری میں رکھیں اس کو بھی بے رنگ

کام کلا ان سب کا جیون کو یتا ان کی ریت
کیا عالؔی کے دوہے بھیّا کیا عالؔی کے گیت

چھم چھم چھم چھم کرنیں برسیں پَوَن کِھا وج تھاپ
تم ہی کہو اب ایسے سمے میں کیا پُن ہے کیا پاپ

چھنن چھنن چھن چھنن چھنن چھن گھنگھرو جیسی باج
چال دکھائے کوِیتا رانی دھن سوچے کوی راج

چال دکھائے کوِیتا رانی اور سب سُر لہرائیں
اب جو سمے پَل بھر بھی ٹھہرے لوگ اَمر ہو جائیں

دوہے

ہولے ہولے نوکا ڈولے گائے ندی بھٹیالی
گیت سنائے، دوہے لہریں اب کیا کہوے عالی

پیچھے ناچیں ڈاب کے پیڑ اور آگے پان سپاری
ان ہی ناچوں کی تھاپ سے ابھرے سانوری بنگلہ ناری

سانوری بنگلہ ناری جس کی آنکھیں پریم کٹورے
پریم کٹورے جن کے اندر کن کن دکھوں کے ڈورے

دکھوں کے ڈورے مٹ جائیں گے جب کوئی پیار سے چومے
لیکن پیار سے چومنے والا دریا دریا گھومے

دریا دریا گھومے مانجھی پیٹ کی آگ بجھانے
پیٹ کی آگ میں جلنے والا کس کس کو پہچانے

کس کس کو پہچانے مانجھی نینوں کا رس سوکھا
نینوں کا رس سوکھتا جائے مانجھی سوئے بھوکا

بھوکی نیندوں والے مانجھی ہم پچھم سیلانی
ہم پچھم سیلانی مانگیں سبزہ، روپ جوانی

سبزہ روپ جوانی ہو اور سُندربن کی چھایا
سُندربن کی چھایا میں چھپ جائے جیون مایا

ہم پچھم سیلانی مانجھی آنے جانے والے
کب ہوئے آنے جانے والے روگ مٹانے والے

یہ تری لوہا لاٹ سی باہیں جن سے ڈریں منجدھاریں
ان باہوں کو چار طرف سے کتنے دھیان پکاریں

او مانجھی سن دھیان پکاریں آ پہنچے وہ کنارے
اک ترے من میں جوت جگے تو چھٹ جائیں اندھیارے

او مانجھی تو اپنے ہی من میں دھیان کی جوت جگا لے
کب ہوئے آنے جانے والے روگ مٹانے والے

○

لندن جس کا شور تھا اتنا نکلا پیار سے خالی
گھومے کیا کیا نار نویلی ٹک ٹک دیکھے عالی

لندن بھی مرے جیون جیسا کچھ دھولا کچھ کالا
تھوڑی وہسکی باقی پانی بھدا بھد پیالا

جسے یہ چھولیں بنے وہ سونا آپ یہ خالی ہاتھ
عالی جی کا نام پڑا ہے مرزا پارس ناتھ

کچھ دن گزرے عالی صاحب عالی جی کہلاتے تھے
محفل محفل قریے قریے شعر سُناتے جاتے تھے

دوہے کہنے اور پڑھنے کا ایسا طرز نکالا تھا
سُننے والے سر دھنتے تھے اور پہروں پڑھواتے تھے

سامنے بیٹھی سُندر ناریں آپ طلب بن جاتی تھیں
پردوں میں سے فرمائش کے سو سو پرچے آتے تھے

"غزلیں دوہے گیت" کی شہرت ملک سے باہر پھیلی تھی
ہندستان سے آنے والے تحفوں میں لے جاتے تھے

جیسے اک دیوی کے گُن ہوں کام، کلا، سنگیت
جب کبھی کہنا ایسے ہی کہنا غزلیں، دوہے، گیت

جب کبھی جلنا ایسے جلنا باقی بچے نہ راکھ
راکھ بچے تو گر جائے گی من اگنی کی ساکھ

جب کبھی لکھنا، چاند سے لکھنا سورج سے اشلوک
سورج جس کی روشنیوں میں کوئی روک نہ ٹوک

جب کبھی گانا گاتے ہی رہنا کھینچتے رہنا تان
اس نِس اِک تان کی آس پہ جس میں کھنچ جائے گی جان

عاؔلی کا کیا ذکر کرو ہو کوئی تو وہ کہلائے
جو ناخن سے پربت کاٹے اور پربت کٹ جائے

نرناری کی باتیں چھوڑو، یہ باتیں ہیں پُرانی
چُھٹ بھیوں کی سنو کہانی چُھٹ بھیّے کی زبانی

دیس کو گورے چھوڑ گئے پر چھوڑ گئے اک پھوڑا
اس پھوڑے نے رِس رِس کر نس نس سے ناتا جوڑا

اس پھوڑے کا نام تھا افسر ذات تھی نوکر شاہی
نوکر شاہی ذات پُرانی اُس نے سب سے نباہی

چیچک پھیلے، ہیضہ پھیلے، پھر بھی اک دن ٹوٹے
نوکر شاہی روگ نرالا لگ کر کبھی نہ چھوٹے

روشنی چھوڑ دیں چاند اور سورج جب کبھی شکتی دمکے
بدھی پگھل پگھل بہ جائے جوں جوں کرسی چمکے

نار بھی آخر جان رکھے ہے افسر کو کیوں چھوڑے
بھوکی سوئے، ننگی جاگے گو پیتا سے سر پھوڑے

افسر رومی افسر رازی افسر بو علی سینا
یارو ایسی بات ہے کوئی جو افسر نے کہی نا

راکھ بنا دے غزلوں، دوہوں، گیتوں کی ہریالی
افسر آن کی آن میں کر دے عالی جی کو خالی

تھر تھر کانپے کاغذ اور سیاہی اُڑتی جائے
سچ کا بوجھ ترازو جھوٹی کتنی دیر اُٹھائے

عالی تو نے اتنے برس اس دیس کی روٹی کھائی
یہ تو بتا تری کوِیتا رانی دیس کے کیا کام آئی

سچے سُر جب گلے سے نکلیں سچی جب ہو تھاپ
ہم نے دیکھا کویتا رانی ناچی آپ سے آپ

دوہے

یہ من جس پر سو سو کنواری کنوار پتا، دے تول
اک سو خصمی ناگن اس کو مار گئی بے مول

ایک بہت ہی پیارے شہر میں اس نے بزم سجائی
کیسے کیسے جمے گھروں میں کیا کیا آگ لگائی

دل پھینکوں میں اُس کے گھر کا کوہِ ندا تھا نام
بڑے بڑے کھنچ کھنچ کر پہنچیں اور آجائیں کام

نئے نئے احوال سناتے سارے یار احباب
کوئی بتائے اُس کو حقیقت کوئی بتائے، خواب

جب ہم نے خود دیکھا اس کو ہوئے بہت حیران
پل بھر میں اک چھپتیسی اور پل بھر میں نادان

نا وہ شاعر، نا وہ گائک، نا وہ گرنتھ کار
کوئی تو گن ہے جس پر یار و مٹ گئے سارے یار

دس دس مہماں پاس بٹھا کر سب سے آنکھ لڑائے
جس کا جس پر دل آجائے اس سے دل بھر جائے

ہم کو بھی پرکھا، ہم سے بھی کھیلی نئے پرانے کھیل
گھات کرے الجھنوں والی، بات کرے بے میل

اِدھر ہمیں بھی اپنی صورت اور شہرت پر ناز
غالب ہوئے بِنا بھی رکھیں غالب سے انداز

ہم یورپ اور امریکہ کی ناریوں کو رُلوائیں
اک ترنّم ایک تبسّم کیا خاطر میں لائیں

آتے جاتے بِل لیتے تھے بے مطلب بے کار
پر وہ شام بھی آ ہی پہنچی جب وہ کر گئی وار

محفل پوری بھری ہوئی اور وہ بیٹھی تھی دور
کوئی تھا اپنے داؤں گھات میں کوئی نشے میں چور

پھر اک جھٹکا دے کر اُٹھی اور آ بیٹھی پاس
سانس میں گرمی آنکھ میں نرمی پیاس ہی پیاس ہی پیاس

اک دم سب کے سامنے اس نے کیا آواز لگائی
عالی جی کیا بات ہے اب تک میں تم کو نا بھائی

کیا کہیے کیا پڑ گئی ہم پر ہم بھی ہیں انسان
جیسے چار طرف سے آ کر پھٹ جائیں طوفان

پیار کرے اور سسکی بھرے، پھر سسکی بھر کر پیار
کیا جانے کب اک اک کر کے بھاگ گئے سب یار

پہلے کبھی نہیں گزری تھی جو گزری اس شام
سب کچھ بھول چکے تھے لیکن یاد رہا اک نام

ہاں وہ ایک ہی نام کہ جس سے پاپی من تھرّائے
ہاں وہ ایک ہی نام جو ہر جنگل سے گھر لے آئے

○

ڈوبتے پسنے ٹوٹتی کرنیں مدھم ہوتے ساز
پیرس اور لاہور میں سُنیے پت جھڑ کی آواز

پنّوں بِن کب سستی ہوئی اور رانجھا بِن کب ہیر
کوئی تجھ پر کیوں ستی ہو عاؔلی ستی تو مانگے ویر

چودہ علم کا جاننے والا تجھی سا راجا بھوج
اک تریا سے ہار گیا، کیوں ہار گیا اب کھوج

نا مجھے سورٹھا کہنا آیا، نہ دوہا، نہ سَوَیا
اپنی ہی موج میں بہتی جائے میری کَوِتا نیّا

اچھائی اور سچائی اور سُندرتا ہیں ایک
جو سچا ہے وہ سُندر ہے جو سُندر وہ نیک

کتنے مہا کَویوں کی کَوِتا چُن کے چیلے بڑے سدھائے
بوگن ویلیا کی بیلیں جن سے خوشبو کبھی نہ آئے

کوئی پَتی اور کوئی پِتا کوئی بیٹا اور کوئی بھائی
اے لوگو! اک نار پہ تم نے کیا کیا قید لگائی

مجھے ملے جیون ساگر سے کچھ یادوں کے جزیرے
ان ہی یادوں کے جزیروں میں ہیں پتّھر، موتی، ہیرے

کس کس گھر کی نیو رکھو اور کیا کیا کُنج بناؤ
عالیؔ جی تم آپ گھروندے تم ہی ٹوٹ نہ جاؤ

گرج گرج کر گھنٹے گھڑیاں روز مجھے دھمکائیں
جاتے دن رو رو رخصت ہوں آتے دن سہمائیں

دوہے

مالی اپنے خون سے سینچیں جس کی اک اک کیاری
روندنے والے روند رہے تھے وہ تازہ پھلواری

سوچتے جائیں سوچنے والے کیا پایا کیا کھویا
عالی جی کا گرو کبیرا دیکھ کبیرا رویا

اب مالی پھر سینچ رہے ہیں ایک نیا گلزار
اس گلزار کو دھیان سے رکھنا جان سمجھنا یار

اس گلزار کو جان سمجھنا اس پر آنچ نہ آئے
پھر کوئی تجھ سا پھر کوئی مجھ سا اس کو روند نہ پائے

دو ہے
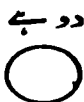
جس کی گاڑھی کھری کمائی مفت میں تم نے کھائی
آج سے پہلے عالی جی تمھیں اُس کی یاد نہ آئی

جیتے جیتے لہو کے دریا جس نے روز بہائے
عالی جی کبھی تم نے اُس پر دو آنسو نہ گرائے

لوہے جیسے تن اور من سب بنتے جائیں راکھ
اور تم پتھر بن کر چاہو پارس جیسی ساکھ

چھایا مانگے اور پھل مانگے پنچھی سا مزدور
عالی تیری کویتا ایسی جیسے پیڑ کھجور

تیسرا باب

"لاحاصل"

کے بعد

○

گاؤں کے لوگ نہیں پہچانیں چُپ ہے ساہوکار
اتنے برسوں بعد کی گنتی رہ گئی ہے اس پار

چھِن گئے تیرے کھیل کھلونے بِک گئے تیرے پھول
غالی اب واپس مت آنا لوگ تجھے گئے بھول

ہم کو شام سے پہلے کیا تھا ہم کو ملا اک ایسا چاند
جتنے سورج ساتھ چلے تھے وہ سب پڑ گئے ماند

شاہ لطیفؒ تمھارے در پر کیا کیا سُر لہرائیں
غالی جیسے من چلے بھی کُندن ہو کر جائیں

شاہ لطیفؒ تمھارے سُر کی دُنیا میں وہ دھوم
سندھ کی مٹی جہاں بھی پہنچے لوگ اُسے لیں چوم

جیون آنچ نے کیا بخشا اک سچّے سُر کی پیاس
وہ سچا سُر لگا نہیں اور غالی گئے اُداس

ہوا سے پوچھا کیا لائی ری کہا سندیا لائی
کہا وہ خوش تھی کہا نہیں وہ ہاں کہہ کر پچھتائی

توجیسی ہے ہم کہویں گے توکیوں بات بڑھائے
چندا خود پر کب ریجھے ہے سُر کب خود کو گائے

آتما اور شریر کے رشتے میری سمجھ سے دور
میں تو یہ جانوں وہ مری ناری اور وہ نور ہی نور

آؤ تمھیں اک بات بتائیں مطلب جانو آپ
بھنورے نیچے پہنچ کے دیکھا پانی تھا چُپ چاپ

روشنیاں ہی روشنیاں ہیں پریم گھروں کے سائے
شرط یہ ہے کوئی ان کی طرف بِن آنکھیں کھولے جائے

نا مجھے دھن دے نا شہرت دے وہ جو مجھ کو بھائے
سونے جیسا پیار کہ جس کو زنگ نہیں لگ پائے

صدیوں کے انبار میں بھگون دیکھو کبھی دکھائے
ایک ہی دن جب کوئی کسی کو کوئی دکھ نا دے پائے

کل عالی اک پربت تھا اب گرتی ہوئی دیوار
کہنے کو سو کارن ہیں ہر کارن ہے وہ نار

پریم اور مستی کا مطلب نہیں جب کہہ گئے سب استاد
پھر وہ ناری آج تلک ہے من میں کیوں آباد

اگر یہ سچ ہے اور یہ سچ ہے پیار خدا کا نام
پھر ہمیں اس کی اک بندی سے پیار یہ کیا الزام

من بھاشا کو آخر کس دن سمجھے گا انسان
کتنی بار تو سامنے آکر بولے ہیں بھگوان

بھٹک رہا ہوں پر رکھوں گا اسی کا دھیان لگائے
شاید اک دن سچائی خود کھینچ مجھے لے جائے

تتلی، جگنو، کوئل، عالی کتنے نام گنائیں
سب ترے پیچھے گھومیں، مہکیں، چہکیں اور جل جائیں

تم کہو دوہا تم کہو بیت اور تم کہو سرستی چھند
نہیں مری من ندی کا طوفاں ناموں کا پابند

اس دیوانی دوڑ میں بچ بچ جاتا تھا ہر بار
اک دوہا، سو اُسے بھی لے جا، تو ہی خوش رہ یار

سچّی کوِیتا لکھنے والا کس کس کو پرچائے
پریم کا راجا بِن پرجا بھی راجا ہی کہلائے

اس کو کچھ نہیں ملتا جس نے ہاتھ نہیں پھیلائے
یہ سچ ہے اور یہ بھی سچ ہے جانے کیا مل جائے

انوارِ قرآن

مرتبہ : نثار احمد فاروقی

صفحات: 88

قیمت : -/49 روپے

پروفیسر آل احمد سرور

مرتبہ : خلیق انجم

صفحات : 88

قیمت : -/48 روپے

انارکلی

مصنف : امتیاز علی تاج

صفحات : 184

قیمت : -/60 روپے

کچھ ابوالکلام آزاد کے بارے میں

مصنف : مالک رام

صفحات: 224

قیمت : -/81 روپے

خواجہ حسن نظامی

مرتبہ : نثار احمد فاروقی

صفحات: 160

قیمت : -/66 روپے

خسرو نامہ

مصنف : مجیب رضوی

صفحات: 124

قیمت : -/56 روپے

اپنے دل کی حفاظت کیجیے

ترجمہ : نذیرالدین مینائی

صفحات : 84

قیمت : -/48 روپے

ایک چادر میلی سی

مصنف : راجندر سنگھ بیدی

صفحات : 116

قیمت : -/48 روپے

ISBN 978-81-7587-595-1

₹ 49/-